دورہ افریقہ کے حالات نیز افریقہ کے ابتدائی مبلغین کی قربانیوں کا ذکر

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۴ / مارچ ۱۹۸۸ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:

افریقہ کے دورے کی وجہ سے یہ آج میرا چھ جمعوں کے انقطاع کے بعد ساتواں جمعہ ہے جو میں یہاں پڑھا رہا ہوں یعنی گزشتہ چھ جمعے میں انگلستان سے غیر حاضر رہا اور پانچ جمعے مجھے افریقہ میں پڑھنے کی توفیق عطا ہوئی اور ایک ہالینڈ میں واپسی پر۔ افریقہ کے دورے کے تاثرات کے متعلق اگر میں خطبات کا سلسلہ شروع کروں تو ایک بہت سی لمبی داستان ہوگی اور بعید نہیں کہ آئندہ چند ماہ مسلسل بھی اگر میں اس مضمون پر گفتگو کروں تو اس مضمون کو سمیٹنا مشکل ہوگا۔ پانچ ہفتے تقریباً مجھے افریقہ میں دورے کی توفیق ملی، چھ افریقن ممالک میں مغربی افریقہ کے ممالک میں جانے کا موقع ملا اور اس کثرت سے وہاں پھرنے، لوگوں سے ملنے، اجتماعات سے خطاب کرنے، احمدیہ جماعت سے رابطہ کرنے کا موقع ملا، غیر از جماعت دوستوں سے رابطہ کا موقع ملا، مسلمانوں سے، عیسائیوں سے، پیگنز سے چھوٹے بڑے ہر قسم کے وہاں کے جو نمائندہ لوگ تھے ان سب سے ملاقات کا موقع ملا اور سکولوں کا جائزہ لینے کا موقع ملا، اپنے ہسپتالوں کا جائزہ لینے کا موقع ملا۔ وہاں کی حکومت کے نمائندوں، سیاست دانوں، دانشوروں سے ملنے، ان کے ساتھ مجالس میں جانے کا موقع ملا تو ایک ایک ملک کا دورہ اتنا بھرپور ہوا کرتا تھا کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ گھومتے ہوئے پہیے پر ایک انسان بیٹھ

کر تیزی سے نکل گیا ہے اور دنوں کا پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ کس وقت آئے اور کس وقت نکل گئے۔ اس کے باوجود ایک عجیب متضاد کیفیت یہ بھی تھی کہ ایک طرف وقت کی تیزی کا احساس ایک طرف تھوڑے وقت میں اتنا زیادہ خدا تعالیٰ نے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ چند دنوں میں مہینوں وہاں ٹھہرے ہیں یعنی وہاں ہم مہینوں ٹھہرے ہیں صرف چند دن نہیں۔ تو بیک وقت یہ متضاد کیفیات تھیں اور سفر کے بعد بھی یہ احساس ہوا گویا کہ چھ مہینے سال باہر گزار کے واپس آ رہا ہوں اور دوسری طرف دوروں کے وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہیں تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک طرف سے دن داخل ہوئے اور دوسری طرف سے نکل بھی گئے۔ جلسہ سالانہ کی کیفیات یاد آتی تھیں۔ جلسہ سالانہ میں بھی یہی ہوا کرتا تھا۔ مدتوں مہینوں انتظار رہتا تھا، انتظامات ہوا کرتے تھے اور جب پہلا دن جلسہ کا پروگرام کا شروع ہوتا تھا تو آخری دن تک پہنچنے میں وقت ہی کوئی نہیں لگتا تھا۔ ادھر سے داخل ہوئے گویا وہاں رفتار تیز ہوگئی اچانک اور گھومتے ہوئے پلیٹ فارم پر کوئی ایک آدمی چڑھ گیا اور اچانک پرلی طرف سے سر باہر نکالنے کا موقع ملتا ہے۔ ایسی کیفیت افریقہ کے دورے میں بھی تجربے میں آئی اور اب جب میں نے کل مبارک احمد ساقی صاحب کے ساتھ بیٹھ کر جو سفر کے وقت میرے ساتھ ایڈیشنل وکیل التبشیر کے طور پر تھے۔ ایک ایک ملک کے متعلق مختصر نوٹس لکھوانے شروع کیے جو کام ہم نے کرنے ہیں تو پتا چلا کہ اس کے لیے بھی کئی گھنٹے کی مجلسیں اُن کے ساتھ درکار ہونگی۔ محض اشارۂ نوٹس لکھوانا کہ یہ یہ کام ہم وہاں وعدے کر کے آئے ہیں یا یہ منصوبے ذہن میں ابھرے ہیں۔ اُن کا Follow up کرنا ہے، کس طرح کرنا ہے۔ اُس کے لیے بھی کئی گھنٹے درکار ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ دورہ ان معنوں میں تو بہر حال آپ جانتے ہی ہیں کامیاب رہا کہ خدا کے فضل سے ہر پہلو سے دوستوں نے بڑی محبت کا سلوک کیا اور بڑے پیار اور تعاون کا سلوک کیا۔ احمدیوں نے پیار کا اور حکومتوں نے اور دیگر غیر احمدی عناصر نے تعاون کا اور بعض جگہ پیار کا بھی لیکن دورے کی کامیابی دراصل یہ نہیں ہے۔ اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے جو کام ہیں وہ اصل کامیابی ہے۔ اس کے نتیجے میں جو نئی کھڑکیاں خدا تعالیٰ نے کام کی کھولی ہیں اصل کامیابی وہ ہے اور ان چند ہفتوں کے دورے کے نتیجے میں بہت سے مہینوں بلکہ شاید ایک سال کا بھی کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ ایک سال کا کام ہمارے سامنے ابھر آیا ہے اور ایک سال میں سوچتا

ہوں تو ایک سال بھی نہیں بلکہ آئندہ دسیوں بیسوں سال کے کام کے لیے خدا تعالیٰ نے رستے کھولے ہیں اور اس پہلو سے میں سمجھتا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کی خاص تقدیر تھی کہ اگلی صدی میں داخل ہونے سے پہلے کا آخری سال جو ہے اس میں خدا تعالیٰ نے اس دورے کی توفیق بخشی اور یہ واقعہ ہے کہ افریقہ کو اس دورے کی شدید ضرورت تھی اور آئندہ صدی کے لیے ہمیں بہت سے عظیم الشان منصوبے بنانے تھے جن کی طرف نگاہ جا ہی نہیں سکتی تھی یہاں بیٹھے ہوئے۔ رپورٹوں کے ذریعے ایک ملک کے حالات کا جائزہ لینا یا کتابوں کے ذریعے ایک ملک کے حالات کا تصور باندھنا یہ بالکل اور بات ہے۔ اپنی آنکھوں سے دیکھنا، اپنے کانوں سے اُن لوگوں کو سننا اُس کے نتیجے میں بالکل ایک نیا ملک سامنے اُبھرتا ہے۔ نئے مسائل سامنے آتے ہیں، نئی ترقی کی راہیں کھلتی ہیں۔ تو اس پہلو سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ دورہ اتنا مصروف بھی تھا اور اتنا آئندہ مصروف رکھنے والا دورہ ہے کہ آئندہ کئی مہینے مسلسل ان کاموں کو سمیٹنے پر لگیں گے۔

اس لیے پہلی بات تو یہ میں جماعت کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ اگر خط و کتابت میں کچھ دیر ہو جائے بلکہ بعض صورتوں میں ہوسکتا ہے مجھے دستخطوں کا بھی موقع نہ ملے اور مجھے پرائیویٹ سیکرٹری سے کہنا پڑے کہ کچھ عرصے کے لیے تم میری طرف سے دستخط کر کے ڈاک بھیجا کرو تو اُس پر وہ بدظنی نہ کریں۔ اس دورے کے معاً بعد جو مجھے خط ملے ہیں اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ بے چین ہو گئے ہیں۔ بعض لوگوں نے شکوے شروع کر دیئے ہیں کہ ڈیڑھ مہینہ ہو گیا ہے آپ کے دستخطوں کا کوئی خط نہیں آیا۔ کیا بات ہے ناراض ہیں کیا ہو گیا ہے۔ تو میں بتانا چاہتا ہوں کہ ہرگز ناراضگی کا کوئی سوال نہیں ہے۔ کسی قسم کی بے اعتنائی کا کوئی سوال نہیں بلکہ کام اس نوعیت کے ہیں کہ اُن کو بہر حال فضیلت دینی ہوگی ذاتی جذبات کے مقابل پر۔ انفرادی تعلق اپنی جگہ ہیں ساری جماعت سے فرداً فرداً ایک تعلق ہے لیکن اس تعلق کے مجموعے کا نام جماعتی تعلق ہے۔ اُس مجموعے پر افراد کو فضیلت نہیں دی جاسکتی۔ اس لیے جو جماعتی کام ہیں انہیں بہر حال پہلے رکھنا ہوگا اور اس دوران جس حد تک بھی انفرادی طور پر ذمّہ داریاں ادا کرنے کی توفیق ملتی ہے وہ کی جائیں گی انشاء اللہ۔ لیکن اس بارے میں ہرگز بدظنی سے کام نہ لیں۔ دوسرا یہ بھی میں مطمئن کروانا چاہتا ہوں کہ خطوط سارے پڑھتا میں ہوں اور جو بعض ہیں طلبہ کے خطوط اس قسم کے جن میں سب میں مشترک مضمون ہوتا ہے دعا

کا۔اُن کی فہرستیں بن جاتی ہیں اور ساتھ خطوط بھی مہیا ہوتے ہیں تا کہ اگر کوئی بات دیکھنی ہو تو خود دیکھ سکوں۔تو اُن کے سوا جتنے بھی ایسے خطوط ہیں جن کا کسی نہ کسی انفرادی نوعیت کے معاملے سے تعلق ہے۔وہ سارے اگر میں خود پڑھتا ہوں۔اس لیے یہ وہم نہ کریں کہ میں خط بھی نہیں پڑھ رہا اور گویا کہ اندھیرے میں چلا گیا ہوں۔ہرگز ایسی کوئی بات نہیں ہے نہ ہوسکتی ہے۔یہ بھی بالعموم ایک ایسی جماعتی ضرورت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔یہ انفرادی ضرورت نہیں ہے مجھے بھی ضرورت ہے اس کی کہ ساری دنیا کی جماعتوں کے حالات سے باخبر رہوں اور نظر رکھوں کہ کیا ہو رہا ہے۔کس قسم کے جذبات کیفیات میں سے مختلف دنیا کی جماعتیں گزر رہی ہیں،کونسے مسائل کا اُن کو سامنا ہے۔تو وہ محض خلاصوں سے تو نہیں پتا چل سکتا۔جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بعض ایسی نوعیت کے خطوط ہیں جن کے خلاصے تیار ہو سکتے ہیں مثلاً طلبہ کی دعا کا مضمون ہے۔بعض اور قسم کے مضامین ہیں جن میں خلاصے تیار ہو سکتے ہیں۔اُن میں دفتر میری مدد کرتا ہے۔یہاں کی خواتین انگلستان کی مدد کرتی ہیں اور کئی ایسے خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسے خدمت کرنے والے یعنی Honorary رضا کارانہ خدمت کرنے والے ریٹائرڈ احمدی ہیں جو بڑی محنت سے یہ کام کر رہے ہیں۔تو وہ میرا وقت بچاتے ہیں اس لیے مجھے توفیق مل رہی ہے کہ میں اس سارے کام کو سمیٹ سکوں۔لیکن جواب کے وقت ضرور کمزوری واقع ہوگی اور اُس میں میں اُمید رکھتا ہوں کہ دوست اس کو نظر انداز فرمائیں گے۔

افریقہ کے متعلق بہت سی ایسی باتیں ہیں جو مجالس میں یا عام جلسوں میں بیان ہو نہیں سکتیں۔اُس کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے کچھ ایسے منصوبوں پر آگاہی فرمائی ہے،ایسے منصوبے روشن فرمائے ہیں۔جن کے متعلق اُن کو عملدرآمد سے پہلے کھول کر دنیا کے سامنے لانا حکمت عملی کے خلاف ہوگا۔قرآن کریم ہمیں تاکید فرماتا ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے فضلوں اور نظروں کے سامنے جب بڑھو گے۔تو اُس وقت حاسد کے حسد سے بچنے کی دعا بھی کرنا وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (الفلق:۶) میں یہی مضمون بیان ہوا ہے۔چنانچہ اُس کا صرف یہ مطلب نہیں ہے کہ جب حسد شروع ہو جائے تو دعا کرنا۔مراد یہ ہے کہ حسد ہوگا ہم تمہیں متنبہ کرتے ہیں اور اُس حسد کے مقابلے کی تمہیں براہ راست خود طاقت نہیں ہوگی۔یہ مطلب نہیں ہے کہ تم نے کوشش نہیں کرنی۔جو لوگ یہ مضمون سمجھتے ہیں اُن کو اس آیت کا بلکہ قرآن کریم میں دعا کے مضمون کا کچھ بھی علم نہیں کہ وہ ہے

کیا۔ دعا عمل کے بعد شروع ہوتی ہے عمل سے پہلے بھی شروع ہوتی ہے۔ لیکن عمل کے بغیر نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جب توکل کا مضمون بیان فرمایا تو فرمایا توکل یہ نہیں ہے کہ اونٹ کو کھلا چھوڑ دو جنگل میں اور سمجھو کہ خدا تعالیٰ اُس کی حفاظت فرمائے گا۔ توکل یہ ہے کہ اُس کا گھٹنا ضرور باندھو اور پھر وہم میں مبتلا نہ ہو پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرو خدا تعالیٰ حفاظت فرمائے گا۔ (ترمذی کتاب صفۃ القیامہ حدیث نمبر: ۲۴۴۱) تو دعا کے مضمون میں عمل داخل ہے یہ بات میں خوب اچھی طرح کھولنا چاہتا ہوں۔ عمل سے پہلے بھی دعا ہے۔ دعا کے نتیجے میں عمل کی توفیق ملتی ہے۔ عمل کے بعد بھی دعا ہے۔ لیکن عمل کو نکال دیں بالکل عمداً ترک کر دیں تو دعا کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ ایک قسم کی انانیت ہے۔ وہ ایک قسم کا خدائی کا دعویٰ ہے اور اپنا تکبر ہے کہ گویا ہم خدا کے قانون قدرت سے بالا ہیں۔ ہماری خاطر خدا اپنے قانون کو نظر انداز کر دے گا۔ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھے رہیں تب بھی خدا ہمارے لئے پورا کرے گا۔ یہ مضمون شرک بھی ہے، گستاخی بھی ہے، تکبر بھی ہے۔ اسی لیے انبیاء عمل سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں رہتے تھے۔ سب کچھ علم ہوتا ہے کہ خدا نے کرنا ہے۔ بعض باتیں ناممکن دکھائی دے رہی ہوتی ہیں۔ ہو ہی نہیں سکتیں۔ لیکن اُس کے باوجود وہ کرتے رہتے ہیں اور دعا کرتے رہتے ہیں۔ تو اس لیے جب یہ کہا جائے کہ حسد سے بچنے کے لیے دعا کرو تو یہ مضمون اس میں داخل ہے کہ مقدور بھر کوشش ضرور کرو۔ یہ نہ خیال کرنا کہ لوگ شرارت نہیں کریں گے۔ لوگ تمہارے منصوبوں میں دخل اندازی کی کوشش نہیں کریں گے۔ ایسے فتنے نہیں پیدا کریں گے جس سے تمہارے عظیم الشان منصوبے ناکام بنائے جائیں۔ وہ ضرور کریں گے لیکن اگر دعا کرتے رہو گے ساتھ یعنی اپنی پوری کوششوں کے بعد دعا سے بھی کام لو گے تو پھر دشمن لازماً ناکام ہوگا یہ خوشخبری ہے اس مضمون میں جو قرآن کریم کی آخری سے پہلی سورۃ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

اس لیے میں اس بات سے باخبر ہوں اور منصوبوں کے سارے حصّے جماعت کے سامنے نہیں کھول سکتا لیکن جماعت سے کام بہر حال لینا ہے اور جس کے ساتھ جس مضمون کا تعلق ہوگا اُس سے رابطہ کیا جائے گا۔ اگر وہ جماعتی طور پر ہوگا تو بعض جماعتوں سے رابطہ کیا جائے گا۔ اگر انفرادی طور پر ہوگا تو انفرادی طور پر اُن سے رابطہ کیا جائے گا۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ خلیفہ اکیلا کام کرے بلکہ ساری جماعت کا نام ہی خلافت ہے اصل میں۔ خلافت ایک فرد کے ذریعے ظاہر ہو رہی ہے مگر امر

واقعہ یہ ہے کہ ساری جماعت خلیفہ ہے خدا تعالیٰ کی اور اُس کی اجتماعیت کے نتیجے میں جو طاقت پیدا ہوتی ہے اُس کا مظہر خلیفہ وقت ہوتا ہے۔اس لیے جب میں کہتا ہوں ہم کام کریں گے یا میں کام کروں گا تو ایک ہی بات ہے۔میں نے کام کرنا ہے تو آپ نے کرنا ہے، آپ نے کرنا ہے تو میں نے کرنا ہے۔اس لحاظ سے ہمارے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے۔ہماری مجموعی خدمت، مجموعی اخلاص، مجموعی تقویٰ کا نام خلافت ہے۔اور اسی کا دوسرا نام جماعت ہے۔تو کام تو بہر حال ہم سب نے مل کے کرنا ہے۔اس سلسلے میں مجھے پتا ہے۔میرا تجربہ بتا رہا ہے کہ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اخلاص کے ایک ایسے اعلیٰ مقام پر کھڑی ہے کہ ہمیشہ توقع سے بڑھ کر تعاون کرتی ہے۔توقع سے بڑھ کر خدمت کے میدانوں میں قدم مارتی ہے اور قربانی کے مظاہرے کرتی ہے بلکہ بعض جگہ روکنا پڑتا ہے۔

بارہا ایسا ہوتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ طاقت سے بڑھ کر بوجھ اٹھایا جا رہا ہے۔محض اخلاص میں اور قربانی میں بھی تو مجھے حکماً روکنا پڑتا ہے کہ آپ نے یہ کام نہیں کرنا اور یہ فعل بھی سنّت پر مبنی ہے کیونکہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی بارہا اس طرح کرنا پڑا۔بعض عشاق نے نیکی کے شوق میں اپنی طاقتوں سے بڑھ بڑھ کر نذریں باندھیں اور اپنے آپ کو خدمتوں کے لیے پیش کیا۔حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے اُن کو فرمایا نہیں اتنا نہیں کرنا، اتنا کرنا ہے۔خود اپنے گھر میں اپنی ایک زوجہ مبارکہ کو فرمایا یہ تم نے کیا رسی لٹکائی ہوئی ہے۔انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں عبادت کرتی ہوں۔یہاں تک کے بعض دفعہ ساری ساری رات جاگ کے عبادت کیا کرتی تھی۔مجھے خطرہ ہوتا ہے کہ میں بے ہوش ہو کے گر نہ پڑوں۔اُس وقت میں اس رسی پر ہاتھ ڈالتی ہوں۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہرگز ایسا نہیں کرنا۔خدا تعالیٰ کسی کو تکلیف مالا یطاق نہیں دیتا۔یہ کوئی عبادت نہیں ہے کہ زبردستی خدا کو خوش کرو۔کم کر دو، اُتنی عبادت کرو جتنی تمہیں بشاشت سے توفیق ہے۔اُس سے بڑھ کر تم نے عبادت نہیں کرنی (بخاری کتاب الجمعہ حدیث نمبر:۱۰۸۲)۔تو یہ مضمون حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے ہی سکھایا ہے اور چونکہ آپؐ ہی کی یہ جماعت ہے اس لیے یہاں بھی ایسے مواقع پیش آتے رہتے ہیں۔تو اس بارے میں مجھے کوئی فکر نہیں ہے انشاء اللہ تعالیٰ جماعت ضرور لبیک کہے گی۔لیکن منصوبے کے بعض حصے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے مخفی رکھنے والے ہیں بعض ہیں جو ظاہر

کرنے والے ہیں اور کھلم کھلا اُن پر گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔

آج کے خطبے کے لیے میں ڈاکٹروں اور اساتذہ کو مخاطب ہوتا ہوں۔ افریقہ میں خدمت کے میدانوں میں آغاز تو بہر حال مبلغین نے کیا اور بہت عظیم الشان قربانیاں دیں لیکن رفتہ رفتہ اُن کے ساتھ ساتھ اساتذہ اور ڈاکٹروں کا خدمت کا دور بھی شروع ہوا اور اس کے نتیجے میں بہت وسیع پیمانے پر مغربی ممالک میں عوام الناس سے اور خواص سے بھی رابطوں کی توفیق ملی۔ غلط فہمیاں دور کرنے کی توفیق ملی اور براہ راست تو یہ ادارے تبلیغ کے ادارے نہیں تھے۔ لیکن ان کے نتیجے میں مبلغین کو بہت زیادہ سہولتیں میسر آ گئیں۔ جو لوگ پہلے نفرت کی وجہ سے بات نہیں سنتے تھے وہ زیر احسان آ کر اور نزدیک سے رابطہ رکھنے کے نتیجے میں دل کے لحاظ سے قریب آ گئے اور جب دل قریب آتے ہیں تو پھر ذہنوں کے لیے بات سمجھنا کوئی مشکل نہیں رہتا۔ تو ان اداروں نے بھی بہت عظیم الشان خدمات سرانجام دی ہیں اور ابھی بھی ان خدمات کی ضرورت ہے بلکہ پہلے سے بڑھ کر ضرورت ہے۔ اس دورے میں جو میں نے باتیں محسوس کی ہیں اُن میں سے ایک بات سامنے رکھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ شروع میں جو احمدی اساتذہ گئے تھے اور احمدی ڈاکٹرز گئے تھے اُن کو تو پتا ہی نہیں تھا کہ افریقہ کے حالات کیا ہیں۔ انہوں نے تو منفی پہلو سے افریقہ کے متعلق سنا ہوا تھا۔ یہ جانتے تھے کہ وہاں مصیبتیں ہوں گی، اندھیرے ہوں گے، جانور ہوں گے، کیڑے مکوڑے ہوں گے۔ پانی کی تکلیف ہوگی، خوراک کی تکلیف ہوگی۔ اس قسم کے خوفناک واقعات انہوں نے افریقہ کے متعلق سنے تھے جو ہمارے دورے پر جانے سے پہلے بھی لوگ ہمارے سامنے بیان کرتے رہے بلکہ اس سے بہت بڑھ کر۔ پھر انہوں نے ابتدائی مبلغین کی عظیم الشان قربانیوں کے حالات پڑھے ہوئے تھے بعض نے اُن میں سے اور جانتے تھے کہ کس قدر شدید مشکلات میں سے گزر کر انہوں نے وہاں دین کی خدمت کی ہے۔ اس لیے اُن کی خدمت میں کوئی لاگ نہیں تھی، کوئی نفس کی ملونی نہیں تھی۔ وہ خالصۃً للہ گئے اور خالصۃً للہ انہوں نے شفاخانے بھی قائم کئے اور سکول بھی اور اُس کے نتیجے میں اُسی نسبت سے بہت ہی برکتیں ملیں۔ پھر بعد میں ایک ایسا دور آیا کہ یہ واقفین بھی جا رہے تھے وہاں لیکن ان کے علاوہ کچھ اور احمدی دوست بھی جانا شروع ہوئے کیونکہ انہوں نے سنا کہ افریقہ میں تو مالی لحاظ سے بھی فوائد ہیں۔ پاکستان میں ڈاکٹر کو کوئی اتنا نہیں پوچھتا جتنا افریقہ میں پوچھا جاتا ہے اور اگر

ہم وہاں جا کر پریکٹس کریں تو ہماری آمدن اپنے ملک کی نسبت بہت زیادہ ہوسکتی ہے۔ پھر آگے ایسے رستے نکل سکتے ہیں کہ ہم آئندہ اعلیٰ تعلیم کے لیے پھر انگلستان چلے جائیں یا کسی اور ملک چلے جائیں۔ اُس کے لیے ایک قسم کا پلیٹ فارم میسر آجائے گا جس سے چھلانگ لگا کر اگلا قدم اُٹھایا جا سکتا ہے یعنی اگلی منزل تک پہنچا جا سکتا ہے۔ یہ اُن کے سامنے پیش نظر بات تھی اس میں کوئی گناہ نہیں ہے ایک انسان کو اگر فائدہ نظر آتا ہے اور کوئی کسی کا نقصان اس میں نہیں ہے تو کوئی حرج نہیں۔ اس سے فائدہ اُٹھانا چاہئے۔ پھر اساتذہ نے سنا کہ وہاں تو حکومت نے قومیا لئے ہیں سکول اور بڑی بڑی تنخواہیں مل رہی ہیں اور آنے جانے کے فرسٹ کلاس کے کرائے بھی ملیں گے دو دو تین تین سال کے بعد پورے خاندان سمیت تو پاکستان میں اساتذہ کو کون پوچھتا ہے۔ کیوں نہ وہاں جا کے قسمت آزمائی کی جائے تو یہ لوگ بھی وہاں پہنچے بڑی کثرت کے ساتھ اور ان کے متعلق یہ کہنا چاہئے کہ چونکہ احمدی تھے مخلص احمدی تھے۔ نیتیں خواہ کچھ بھی تھیں وہاں پہنچ کر انہوں نے اچھے تعلقات قائم کئے، اچھے اثرات قائم کئے اور خدا کے فضل سے نیک نمونے دکھائے الا ماشاء اللہ اور ان کا بھی نیک اثر پڑا۔ لیکن بدقسمتی سے اُن ملکوں کے حالات پھر بدلنا شروع ہوئے اس قدر مظلوم قومیں ہیں کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ کس طرح دنیا نے اُن کے ساتھ دھوکے کیے ہیں، اُن کو لوٹا ہے، جب امارت آئی خدا کی طرف سے تو اُس وقت بھی اُن کو لوٹا گیا۔ اب غربت میں بھی اُن کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے۔ یہ یوں لگتا ہے جس طرح جونکیں چمٹی ہوئی ہیں کسی جسم کے چاروں طرف سے۔ ہر طرف سے خون چوسا جا رہا ہے اور نام یہ ہے کہ ہم خدمت کر رہے ہیں۔ ہم تمہیں ایڈ دے رہے ہیں۔ ہم تمہارے لیے کاریں بنا بنا کے بھیج رہے ہیں یا فلاں قسم کی مصنوعات تمہیں مہیا کر رہیں ہیں یہ ہمارا تم پہ احسان ہے اور اس احسان کے پردے میں کثرت کے ساتھ اُن کے اقتصادی حالات دن بدن تباہ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ مضمون تو بہت وسیع ہے لیکن اس کے متعلق جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے جو کارروائیاں ہیں وہ انشاء اللہ کی جائیں گی۔ کہنے کا مقصد اس وقت یہ ہے کہ جب یہ حالات بدلنے شروع ہوئے تو وہ اساتذہ بھی ملک چھوڑنے لگ گئے جو خدمت کی نیت سے گئے ہی نہیں تھے، گئے اس لیے تھے کہ اُن کے حالات کا تقاضا یہ تھا کہ وہاں اُن کے فوائد ہیں ان فوائد سے متمتع ہونے کی خاطر وہ گئے تھے۔ وہ ڈاکٹرز بھی جو اس نیت سے گئے تھے۔ اُن کا دل بھی اُچاٹ ہونے لگا اور رفتہ

رفتہ ان لوگوں نے اُن ملکوں کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں کا رخ اختیار کیا۔ جس طرح فصلی پرندے خوراک کے ساتھ ساتھ پھرتے ہیں ۔ جب ایک جگہ خوراک ختم ہو جائے تو پھر وہ وہاں تو نہیں بیٹھے رہتے۔ آزاد ہیں خدا تعالیٰ نے جہاں اُن کا رزق رکھا ہے وہاں چلے جاتے ہیں اور اُن پر کوئی شکوہ نہیں اسی طرح ان پر بھی کوئی شکوہ نہیں۔ لیکن وہ واقفین زندگی جنہوں نے اپنی زندگیاں دین کی خاطر پیش کی ہوئی تھیں وہ وہیں بیٹھے رہ گئے ۔ جو چیز نفع بخش ہے اُس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ (الرعد:۱۸) وہ زمیں میں ٹھہری رہتی ہے ۔ وہ اپنے فائدے کی خاطر نہیں بدلتی وہ دوسروں کے فائدے کی خاطر پہنچی ہوتی ہے۔ اس آیت میں بڑے عظیم الشان مضامین ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگ جو دوسروں کو نفع پہنچانے کی خاطر جایا کرتے ہیں۔ وہ اُن کے حالات بدلنے سے وہاں سے بھاگ تو نہیں جایا کرتے ، پیچھے تو نہیں ہٹ جایا کرتے ۔ جو اپنا فائدہ لینے کے لیے جاتے ہیں اُن کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ اُن کے سفر بھی اُسی نسبت سے ہوتے رہتے ہیں۔ جہاں تک کسی قوم سے فائدہ میسر آیا وہاں تک ان سے وفا کی ۔ جب فائدہ ختم ہو گیا تو انہوں نے آگے سفر کر لینا ہے جہاں بھی اُن کو موقع ملے گا وہاں چلے جائیں گے۔ تو ایسے لوگ باقی رہ گئے جو فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ کے مصداق تھے۔ بعض معلمین ، بعض واقفین زندگی ڈاکٹر بھی ، دوسرے بھی ، اساتذہ بھی وہ اب تک وہیں بیٹھے ہوئے ہیں اور انہوں نے کوئی شکوے نہیں کیے۔ شدید تکلیف میں وقت گزارا بلکہ بعض جگہ مجھے اس کی وجہ سے مبلغ انچارج سے شدید ناراضگی کا بھی اظہار کرنا پڑا کہ تمہیں کیا حق تھا کہ ان کی مصیبت اور میرے درمیان پردہ بن کے بیٹھے رہو۔ خدا تعالیٰ کے سامنے میں جوابدہ ہوں اتنی **تکلیف میں یہ لوگ گزار رہے ہیں وقت اور تمہیں کوئی حس نہیں ہوتی تم اپنی طرف سے اس کو اخلاص سمجھ رہے ہو، تقویٰ سمجھ رہے ہو کہ مرکز سے مطالبہ نہیں کرنا لیکن بحیثیت امیر تمہارا فرض تھا کہ ان کی مشکلات ان کی مصیبتوں سے مجھے مطلع کرو تا کہ وقت کے اوپر میں خدا کے حضور اپنی ذمہ داری ادا کروں کیونکہ آخری جوابدہی مجھے کرنی ہوگی**۔ تو ایسے بھی تھے جنہوں نے تقویٰ کے ساتھ زبانوں پر مہریں لگائیں ، ایسے بھی تھے جنہوں نے تقویٰ کا مفہوم غلط سمجھ کر زبانوں پر مہریں لگائیں اور بڑی تکلیف میں وہاں وقت گزارے اور ابھی بھی وہ خدمت کے میدانوں سے جی نہیں کترا رہے۔

یہ وہ صورتحال ہے ایک پہلو سے جسے میں نے وہاں دیکھا اور میں سمجھتا ہوں کہ افریقہ کو ابھی بہت زیادہ ضرورت ہے اساتذہ کی بھی اور اطباء کی بھی، ڈاکٹروں وغیرہ کی بھی۔ اب جو لوگ وہاں جائیں وہ اپنے فائدے کی خاطر نہ جائیں بلکہ خالصۃً وقف کی روح سے جائیں اور یہ عزم کر کے جائیں کہ جو کچھ بھی ہوگا جو سر پہ گزرے گی گزر جائے گی لیکن ہم نے خدمت کی راہوں سے پیچھے قدم نہیں ہٹانا۔ یعنی وقف کی روح کے ساتھ جو لوگ اپنے آپ کو پیش کرنا چاہتے ہیں اُن کو میں بلا رہا ہوں اور اُن کو میں بتانا چاہتا ہوں کہ افریقہ میں جو عظیم الشان تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں یہ پرانے واقفین کی قربانیوں سے پیدا ہوئی ہیں۔ جو حیرت انگیز تبدیلیاں آج وہاں نظر آ رہی ہیں۔ وہ ایسی عظیم الشان ہیں کہ اُن کا تصور وہاں کی جماعتیں بھی نہیں کر سکتی تھیں کہ کتنی حیرت انگیز ملک کے اندر تبدیلی پیدا ہو چکی ہے۔ بعض احمدی بڑے بڑے صاحب تجربہ اور اپنے ملکوں کی حکومتوں میں بااثر انہوں نے مجھے بتایا کہ خود ہمیں بھی علم نہیں تھا کہ ہماری قوم احمدیت سے محبت اور تعاون میں اتنا آگے بڑھ چکی ہے اور اتنا زیادہ وہ اس وقت تیار ہے کہ اُسے پیغام پہنچایا جائے۔ چنانچہ ایک صاحب نے اُن کا نام لینا مناسب نہیں اُن کے ملک کا نام بھی ظاہر کرنا مناسب نہیں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی یہ ہو کیا رہا ہے کہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہماری قوم کو کسی جماعت احمدیہ کے خلیفہ کی ایسی خدمت کی توفیق ملے گی اور ایسے محبت کے اظہار کا موقع ملے گا، میرے تصور میں بھی یہ بات نہیں تھی۔ انہوں نے کہا کہ جو کچھ میں نے دیکھا ہے یہاں حکومت کے سربراہوں کے ساتھ تو ہوتا دیکھا ہے اس کے سوا کسی اور کے ساتھ ایسا سلوک نہیں دیکھا اور یہ بھی انہوں نے بتایا کہ اس میں ہماری جماعت کی کوششوں کا دخل نہیں ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے غیب سے ہو رہا ہے اور حیرت انگیز طریق پر ہو رہا ہے۔ تو یہ جو ساری باتیں تھیں ان کے پیچھے ایک پس منظر ہے قربانیوں کا۔ دعا کرنے والے قربانیاں کرنے والے لوگ پہلے آئے ہیں اور بظاہر وہ اپنے وقت میں نمایاں طور پر کامیاب دکھائی نہیں دیئے لیکن فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ کا یہ بھی ایک مطلب ہے کہ جو صالحات باقیات ہوتی ہیں جو خدا کی خاطر نیکیاں جاری کی جاتی ہیں۔ لوگوں کے نفع کی خاطر جو لوگ محض للہ کام کرتے ہیں وہ چلے بھی جائیں دنیا سے رخصت بھی ہو چکے ہوں تو اُن کی نیکیاں باقی اور قائم رہ جاتی ہیں اور اتنا مستقل وجود بن جاتی ہیں وہاں اس قوم کی زندگی میں کہ اُنہیں ہٹایا نہیں جا سکتا

فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ کا مطلب ہے وہ زمین کے ساتھ پیوستہ ہو جاتی ہیں۔ اُس ملک کا حصّہ بن جاتی ہیں، اُس کی خاک بن جاتی ہیں۔ اُس سے پھر آگے چیزیں نشو ونما پاتی ہیں۔ تو یہ منظر بھی میں نے وہاں دیکھا اور ہر ملک میں یہی نظارے نظر آئے تو حقیقت یہ ہے کہ آئندہ بھی جو انقلاب برپا ہوں گے وہ عظیم الشان روحانی قربانیاں کرنے والے فقیر منش بندوں کے ذریعے ہوں گے۔ جن کی نیتیں خالص ہوں گی۔ جو اس عہد کے ساتھ جائیں گے کہ اس ملک کے حالات خواہ کیسے بھی ہوں ہم نے بہر حال وہاں خدمت کرنی ہے۔ اُس کے نتیجے میں پھر دیکھیں اللہ تعالیٰ ایک نیا برکتوں کا دور شروع کرے گا۔

چنانچہ جوں جوں میں وہاں پھرتا رہا میرے دل پر ایک اور ہی قسم کی روئیداد میرے دل سے گزرتی رہی ہے۔ کچھ نظارے آنکھیں دیکھ رہی تھیں کچھ دل محسوس کر رہا تھا۔ ایک سفر میرا جسم اور ظاہری آنکھیں کر رہی تھیں۔ ایک سفر میری روح اور میری باطنی آنکھیں کر رہی تھیں اور دیکھنے والوں کو بھی معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ میں کیا محسوس کر رہا ہوں اور کیا سوچ رہا ہوں اس وقت یہ جو بھی واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ میرے دل پر کیا اثر کر رہے ہیں۔ اُن میں سے ایک سوچ یہی تھی جو میں نے بیان کی ہے۔

بے انتہا خلوص کا اظہار ہوا ہے افریقہ کے ہر ملک میں اور آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ کس قسم کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں اُس شخص کے دل میں جس کو نظر میں رکھ کر ۱۰، ۱۵ ہزار آدمی جذبات سے بے قابو ہوئے ہوں۔ اُس کا جوار تکاز ہوتا ہے ایک دل میں وہ کیا کیفیت پیدا کرتا ہے کوئی دوسرا آدمی سوچ بھی نہیں سکتا۔ جس طرح لیزر بیم سے ایک قوت پیدا ہوتی ہے۔ وہی تجربہ جذبات کے ارتکاز سے رونما ہوتا ہے۔ بے شمار شعاعیں پھیلی ہوئی جب ایک باریک بیم کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور ایک نکتہ پر اکٹھی ہو جاتی ہیں تو اتنی حیرت انگیز طاقت اُس میں پیدا ہوتی ہے کہ اُس کے نتیجے میں آج کل کی دنیا میں لیزر بیم کے ذریعے آنے والے میزائل کو ہوا میں تباہ کرنے کے منصوبے تقریباً مکمل ہو چکے ہیں۔ تجربہ ہو چکا ہے اس بات کا کہ اگر ہم لیزر بیم سے استفادہ کریں تو اتنی شدید قوت کی شعاعیں پیدا ہوتی ہیں جو ہزاروں میل دور ہزار ہا میل کی رفتار سے چلنے والی میزائل کو آناً فاناً ہلاک کر دیں۔ تو اس لیے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ سب جو اجتماعات تھے ان کا اُس وقت جس وقت میں اُن

حالات سے گزر رہا تھا مرکز میں بنا ہوا تھا اور اُن کے جذبات، اُن کی محبت، اُن کے اخلاص کے اظہار سے جوار تکاز ہوتا تھا میرے دل کے اوپر اُس سے کیا کیفیت ہوگی۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے خاص حوصلہ نہ ہو تو انسان اس کو برداشت ہی نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر وہ میرے دل میں ہی رہتے اور وہیں مجتمع ہوتے تو پھر میری جان کو خطرہ تھا۔ اگر اُن قوتوں کو آگے بڑھایا دیا جائے اور اُن کے ساتھ سفر اختیار شروع کر دیا جائے تو پھر کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ میرا تجربہ مسلسل یہی رہا کہ جب بھی یہ لوگ اپنی محبت اور عشق کا اظہار کرتے تھے اور پھر اظہار کا طریق بھی یہ کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے نعرے۔ نعرہ ہائے تکبیر اور اس قدر خوبصورت آوازوں میں پورے کے پورے ہزار ہا لوگ بیک وقت ہم آہنگ ہو کر جو درود پڑھتے تھے اُس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کتنا غیر معمولی ارتعاش طبیعت میں پیدا ہو جاتا ہوگا لیکن اُس کے ساتھ اُس کا علاج یہ تھا جو طبعی تھا خدا کی طرف سے تھا کہ میں اپنے آپ کو ان باتوں کا مرکز سمجھتا ہی نہیں تھا۔ میرا ذہن اُسی وقت ماضی کی یادوں میں منتقل ہو جایا کرتا تھا۔ ان سب کے تحائف میں اپنے پاس امانت سمجھتا تھا۔ ان کی محبتوں کو لے کر میں ایک روحانی سفر اختیار کرتا تھا اور ماضی میں اُن بزرگوں کی یادوں تک پہنچتا تھا جنہوں نے نا قابل بیان اور عظیم الشان قربانیاں دیں۔ بعض دفعہ میں اُن یادوں سے مغلوب ہو کر روتا تھا لیکن دنیا سمجھ نہیں سکتی تھی کہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ اور کن کیفیات سے میں گزر رہا ہوں۔ آپ کو میں اُن کیفیات سے گزارنا چاہتا ہوں۔ اس لیے میں یہ ذکر چھیڑ رہا ہوں۔ آپ کو میں اُن یادوں کی طرف منتقل کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اُس کے بغیر آپ میں دوبارہ قربانیوں کے عزم پیدا نہیں ہوں گے۔ آپ کو وہ قوت نہیں ملے گی جو قوت درکار ہے اس وقت دوبارہ افریقہ کی خدمت کے لیے۔

چنانچہ میرا ذہن اُن لوگوں کی طرف منتقل ہوتا رہا مجھے مختلف ملکوں میں مختلف لوگ یاد آئے، کوئی سرسری طور پر کچھ زیادہ گہرے طور پر۔ بعض ایسے جہاں جا کر نگاہیں رک جاتی، ٹک جاتی رہیں اور کچھ دیر گویا یادوں میں اُن کی معیت میں وقت گزارنے کی توفیق ملی۔ بعضوں کی پرانے مسکن دیکھے، وہ پرانے گھر، دیکھے وہ راستے دیکھے جہاں سے وہ گزرا کرتے تھے۔ وہ ابتدائی سکول دیکھے جو انہوں نے تعمیر کئے تھے۔ کئی دور کے مختلف لوگ ہیں اُن میں سے جو تازہ دور میں سے بعض مثالیں ہیں۔ مولوی نور محمد نسیم سیفی ہیں، صوفی محمد اسحٰق صاحب، ابراہیم خلیل صاحب، بشارت احمد بشیر

صاحب، عطاء اللہ صاحب کلیم، محمد صدیق صاحب گورداسپوری، محمد افضل صاحب قریشی، ملک غلام نبی صاحب وغیرہ وغیرہ۔ یہ بہت سے آئے اور سب کی تو یاد بھی میرے ذہن میں پوری طرح حاضر نہیں۔ مگر نمونۃً سرسری طور پر کہیں کسی کا نام ذہن میں اُبھرتا رہا، کہیں کسی کا نام ذہن میں اُبھرتا رہا، کہیں یاد کروانے والوں نے یاد کروایا لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یہ بھی ایک قسم کا وسیلہ تھے یادوں کی راہ میں منازل تھیں اور آخری سفر پھر اُن عظیم بزرگوں کی طرف تھا جو آغاز میں افریقہ میں خدمت کرنے کے لیے پہنچے تھے۔ اُن میں سے چند کا بالکل مختصر تذکرہ میں کرنا چاہتا ہوں تا کہ ساری جماعت اُن کے لیے دعائیں بھی کرے اور یہ عہد کرے کہ ان کی قربانیوں کا جو پھل ہم آج کھا رہے ہیں اُس کا بدلہ ہم مستقبل کی نسلوں کو آج کی قربانیوں سے دیں گے۔ جس طرح پھل دار درخت لگانے والے بسا اوقات اپنے پھل دار لگائے ہوئے درخت سے محروم رہ جاتے ہیں اُس کے پھل سے لیکن آئندہ نسلیں اُن درختوں کا پھل کھاتی ہیں اور انہوں نے پہلی نسلوں کے لگائے ہوئے درختوں کا پھل کھایا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک جاری سلسلہ ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے کائنات میں ایک طرف سے احسان بھی ہوتا دوسری طرف اس احسان کو ادا کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے دعاؤں کے ذریعے بھی ہم ان بزرگوں کو ہمیشہ اپنی طرف سے رحمتوں اور برکتوں کے تحفے بھیج سکتے ہیں یعنی خدا کے حضور گریہ وزاری کر سکتے ہیں کہ ان پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، ان کی اولادوں پر برکتیں نازل فرمائے، ان کی نیکیوں کو جاری رکھے اور ان جیسے اور کثرت سے لوگ بلکہ ان سے بھی بڑھ کر قربانی کرنے والے عطا کرے۔

تو جو پہلی نسل کے لوگ تھے جن کی طرف بار بار ذہن منتقل ہوتا رہا ان میں سب سے پہلے بزرگ **حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیرؓ** ہیں۔ انہوں نے ۱۹۰۱ء میں بیعت کی تھی۔ ۱۵ / جولائی ۱۹۱۹ء کو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے چوہدری فتح محمد صاحب سیال کے ساتھ یہ پہلے انگلستان تشریف لائے اور کچھ عرصہ یہاں قیام کے بعد حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر آپ افریقہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ۱۹ / فروری ۱۹۲۱ء کو فری ٹاؤن سیرالیون میں پہنچے اور یہ وہ پہلی جگہ ہے جہاں افریقہ میں احمدیت کے کسی مبلغ نے قدم رکھے ہوں۔

سیرالیون میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس سے پہلے ایک دوست ۱۹۱۵ء میں خط و کتابت

کے ذریعے احمدی ہو چکے تھے۔ان کا نام امام موسیٰ گا با تھا اور انہوں نے ہی قادیان سے خط و کتابت کے ذریعے احمدیت قبول کی۔ خط و کتابت تو ۱۹۱۵ء میں کی تھی لیکن ۱۹۱۶ء میں احمدیت کو قبول کیا۔ احمدیت بھی قبول کی اور پھر درخواست بھی دی کہ افریقہ میں مبلغ بھیجا جائے۔

مولانا نیّر صاحب کو میں نے اپنے بچپن میں دیکھا ہوا ہے بڑے قریب سے اور آپ میں سے بہت سے ایسے ہوں گے یا دنیا میں ایسے ہزار ہا سے بھی زیادہ، چالیس پچاس ہزار شاید ابھی تک زندہ ہوں اس نسل کے لوگ جنہوں نے قادیان میں ان بزرگوں کو دیکھا ہے اور حضرت نیر صاحب کی شخصیت بڑی دلچسپ تھی اور بہت ہی غیر معمولی اثر ڈالنے والی شخصیت تھی۔ ویسے تو صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر ایک ہی ستاروں کی طرح روشن تھا اور خاص رنگ رکھتا تھا اپنے لیکن بعض میں بعض انفرادی باتیں خصوصیت کے ساتھ پائی جاتی تھیں جو ایک امتیازی نشان بن جایا کرتی تھیں۔آپ کی شکل وصورت آپ کا حلیہ اس فرضی بزرگ سے قریب تر تھا جسے ہم خواجہ خضر کہتے ہیں۔ عوام الناس میں سبز پوش ایک بزرگ جس کی لمبی ریش اور عصا ہاتھ میں پکڑے ہوئے ایک بزرگ کا تصور پایا جاتا ہے جس کو خواجہ خضر کہتے ہیں اور قرآن کریم میں حضرت موسیٰؑ کے جس ساتھی کا ذکر ہے وہ سمجھتے ہیں وہی خواجہ خضر تھے۔تو ان کا جو تصور ہے وہ کم وبیش اسی قسم کا ذہن میں میں نے جو معلوم کیا ہے پایا جاتا تھا اور حضرت نیر صاحب اس تصور کی ایک زندہ تصویر تھے اور پھر ان کی یاد میں یہ بات تازہ ہو جاتی ہے کہ آپ غالباً جماعت میں پہلے تھے یا ابتدائی لوگوں میں سے تھے جنہوں نے سلائیڈز دکھا کر بہت تبلیغ کی اور نئی نسلوں کی تربیت کی۔ چنانچہ سلائیڈز کے لحاظ سے بچوں کا ان سے بہت زیادہ تعارف ہوا۔ قادیان میں جہاں بھی حضرت نیر صاحب سلائیڈز کی مجلس لگایا کرتے تھے اس زمانے میں تو وہ آجکل کی جو ایڈوانس مووی پکچرز ہیں اس کا پتا ہی نہیں لوگوں کو کتنا مزہ آتا ہوگا لیکن ان سلائیڈز کا قادیان کے بچوں کو اتنا مزہ آتا تھا کہ میرا خیال ہے کہ آجکل لوگوں کو دوسری پکچرز کا اتنا آ ہی نہیں سکتا۔ ہمہ تن ہم اس میں منہمک ہو جایا کرتے تھے اور حیرت سے دیکھا کرتے تھے یہ کتنا عظیم الشان کام ہے جو ہو رہا ہے۔ نیر صاحب ہر سلائیڈ کے بعد کہتے تھے Next اور یہ جو Next کا محاورہ ہے یہ ہمیں بہت ہی لطف دیتا تھا بچے خوب ہنسا کرتے تھے کیونکہ اس زمانے میں Next عام طور پر لفظ اردو میں نہیں استعمال کیا جاتا تھا مگر یہ چونکہ زیادہ دیر انگریزی بولنے والے علاقوں میں تبلیغ

کرتے رہے اس لئے طبعاً منہ سے Next کا لفظ جاری ہوا کرتا تھا۔ تو ہر Next کے بعد اچانک وہ تصویر بدلتی تھی اور وہ تصویریں تو بدلتی رہیں لیکن نیر صاحب کی تصویر کبھی نہیں بدلی۔ وہی بزرگ، وہی شخصیت، وہی بے حد پیار کرنے والی اور جماعت کے معاملات میں بہت ہی زیادہ صرفے سے کام لینے والی شخصیت۔ اس حد تک کہ جہاں تک جماعتی اموال کا تعلق ہے انہیں خاصا کنجوس کہا جا سکتا تھا لیکن اپنی ذات کے لحاظ سے نہیں جماعتی مصارف کے لحاظ سے۔ بے حد خیال رہتا تھا کہ ایک پیسہ بھی کہیں غلط جگہ پہ خرچ نہ ہو جائے یا ضرورت سے زیادہ خرچ نہ ہو جائے۔

یہ تھے جو افریقہ تشریف لے گئے اور جاتے ہی کچھ ان کی شخصیت، ان کی دعاؤں کا اثر کہ بہت ہی جلدی جلدی اور بڑی بڑی کامیابیاں نصیب ہونی شروع ہوئیں اور بعض دفعہ تو تاریں ایسی آتی تھیں کہ ہزار ہا دوستوں نے احمدیت کو قبول کر لیا ہے لیکن یہ ابتدائی دور زیادہ دیر جاری نہیں رہا۔ اس اجتماعی قبولیت کے نتیجے میں اجتماعی حسد بھی پیدا ہوا اور باہر سے لوگ پہنچنے شروع ہوئے شرارت کرنے والے، احمدیت کے خلاف عناد دلوں میں بھرنے والے۔ کچھ شمال سے جو مالکی فرقہ کے علماء تھے ان کے اوپر شمالی اثرات تھے انہوں نے مسلمانوں کو بھڑکانا شروع کیا بلکہ عیسائی چیفوں کو بھی بھڑکانا شروع کیا اور اس کے بعد اذیت کا ایک بڑا سخت دور شروع ہوا ہے۔ اس دور میں سے براہ راست نیر صاحب کے گزرنے کا تو مجھے علم نہیں لیکن اس اول دور کے مبلغین نے بہت تکلیفیں اٹھائی ہیں وہاں اور ان مبلغین سے بڑھ کر وہاں کے مقامی احمدیوں نے۔ مقامی احمدیوں نے تو اتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں کہ آپ وہم بھی نہیں کر سکتے کہ افریقہ میں کبھی یہ واقعہ ہوا ہوگا لیکن افریقہ کے ہر ملک میں ایسی داستانیں پھیلی پڑی ہیں جہاں ابتدائی احمدیوں نے بہت ہی دردناک حالات دیکھے ہیں اور بلالی صبر اور بلالی شان کا مظاہرہ کیا ہے۔ مگر اس کے سوا نیر صاحب نے ذاتی تکلیفیں جو غربت کی وجہ سے جماعت کے پیسے کو نہ استعمال کرنے نتیجے میں اپنی ذات پر جماعت کے پیسے کو کنجوسی سے استعمال کرنے کے نتیجے میں پیدا ہو سکتی ہیں وہ بہت تکلیفیں دیکھیں اور بعض دفعہ یہ بھی ہوا ہوگا کہ کوئی پیسہ ہی نہیں تھا ان کے پاس خرچ کرنے کے لئے۔ چنانچہ ایک اقتباس میں سناتا ہوں چھوٹا سا جو الفضل ۹ / جون ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا۔ نیر صاحب وہاں کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''برادران وہ جو گرمی میں برف اور شربت پی کر پیاس بجھاتے ہیں

ان سے کہہ دیں کہ یہاں احمدی مبلغ کو کنوئیں کا پانی بھی میسر نہیں آتا اور اسے بعض دفعہ پیاس بجھانے کی گولیاں کھانی پڑتی ہیں۔''

واقعہ یہ ہے کہ ابھی بھی وہاں پانی کی بڑی تنگی ہے اور بعض دفعہ اتنا گندہ پانی ہوتا ہے کہ جو نیا جانے والا ہے وہ اگر پی لے تو شدید بیماریوں کا شکار ہو جائے۔ تو اس زمانے میں بھی یہ تکلیف تھی بلکہ بہت زیادہ تھی آج سے۔ یہ نہ سمجھیں کہ یہ آرام سے گئے ہیں اور ادھر انہوں نے آواز دی ادھر ہزار ہا لوگ احمدی ہونے شروع ہو گئے گویا کہ کہانی کی کتاب پڑھ رہے ہیں آپ۔ یہ انقلاب بڑی شدید تکلیفوں میں سے گزر کر برپا ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ پھر وہ لکھتے ہیں:

''اور جو گھوڑوں، بگھیوں، موٹروں اور بیل گاڑیوں پر پھرتے ہیں ان سے کہہ دیں کہ یہاں داعی اسلام کو گھنے جنگلوں سے پیدل گزرنا پڑتا ہے۔''

اور وہاں کے جنگل جس نے دیکھے آج کل تو بہت کم جگہ رہ گئی ہے گھنے جنگلوں کی مگر پرانے زمانے میں تو اکثر جگہ ان ملکوں کی جنگل ہی تھا۔ وہاں تو پیدل گزرنا ہی ایک امتحان ہے اور نہایت خطرناک قسم کے جراثیم، کیڑے مکوڑے، جنگلی جانور اور کانٹے اتنا خطرناک گھنا جنگل ہوتا ہے کہ اس کی زمین نے سالہا سال سے سورج کی روشنی نہیں دیکھی ہوتی اور وہاں گزرنے کے لئے کوئی ایسے اوزار چاہئیں کہ انسان کاٹ کے بعض دفعہ رستے بنائے خود ورنہ گزر ہی نہیں سکتا ناممکن ہے۔ ایک دیوار کی طرح جنگل کھڑا ہوتا ہے سامنے۔ تو ان میں سے گزرنا پڑا ہے ان کو یہ نہ سمجھیں کہ بڑی آسانی کے ساتھ یہ انقلاب برپا ہوا ہے۔

''وہ جو دودھ گھی وغیرہ سے تیار شدہ مٹھائیاں استعمال کرتے ہیں ان کو بتلائیں کے خادم احمدیت کے لئے یہ چیزیں خواب ہیں کیوں؟''

میں بتا رہا ہوں یہ لکھتے ہیں اس لئے نہیں کہ میں گویا اپنا احسان تم پر ظاہر کر رہا ہوں اس لئے کہ محض اللہ کی خاطر اس کے رسول کی خاطر حفاظت اور اشاعت اسلام کی خاطر ایک احمدی مبلغ یہ سب چیزیں برداشت کرتا ہے۔

تو بڑے بھاری عزم کی ضرورت تھی اس وقت، بڑی غیر معمولی فدائیت اور عشق کی ضرورت تھی اور اس عشق کے نمونے جماعت احمدیہ نے اس زمانے میں کثرت سے پیش کئے ہیں۔ ان کا جیسا

کہ میں نے بیان کیا ہے ان کی تفصیلی داستانیں بیان کرنے کا تو ذکر نہیں سالہا سال پر قربانیاں پھیلی پڑی ہیں۔

حکیم فضل الرحمان صاحب ہیں مثلاً دوسرے جن کی قربانیوں سے ہمیشہ ہی میرا دل بہت متاثر رہا ہے اور ایک خاص شان کے وجود تھے۔ آپ کو افریقہ میں جب آپ مبلغ مقرر ہوئے تو تئیس سال تک افریقہ میں خدمت کی توفیق ملی اور جس علاقے میں خصوصیت سے انہوں نے تبلیغ ہے وہاں آج تک جماعت کا غیروں پر بہت ہی اچھا اثر ہے۔ بے حد محبت پائی جاتی ہے ان میں بہت زیادہ احسان مندی کا جذبہ ہے اور نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے کہ یہاں کے لوگ جماعت کے ساتھ خاص تعلق رکھتے ہیں اور یہ تعلق ایک دو دن میں پیدا ہونے والا تعلق نہیں ہے۔ بیسیوں سال کے اچھے سلوک کے نتیجے میں قربانیوں کے نتیجے میں خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں میں تبدیلی پیدا فرمائی ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانے میں یہ غالباً ۱۹۲۳ء میں گئے تھے۔ ۱۹۲۳ء میں آپ نے حضرت مصلح موعودؓ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے پیش کیا اور غانا سب سے پہلے تشریف لے گئے۔ آٹھ سال متواتر تبلیغی جہاد میں مصروف رہنے کے بعد ۱۹۲۹ء میں کچھ عرصے کے لئے واپس آئے شادی ہوئی ڈیڑھ برس شادی رچائی اور ۱۹۳۳ء میں پھر مغربی افریقہ بھیج دیا گیا جہاں مسلسل چودہ سال رہے ہیں اور واپس پھر وطن کا منہ نہیں دیکھا نہ بیوی بچے وہاں جا سکتے تھے۔ مجھے یاد ہے حضرت مصلح موعودؓ نے ایک دفعہ خطبہ میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جماعت کے پاس پیسے ہی نہیں تھے۔ بھجوانے کے پیسے مشکل سے ملے تھے کجا یہ کہ ان کو بلایا جائے بیوی بچوں سے ملنے کے لئے یا بیوی بچوں کو وہاں بھیجا جائے۔ چنانچہ ڈیڑھ سال کی شادی کے بعد چودہ سال گویا ساڑھے پندرہ سال آپ رہے ہیں چونکہ شادی بھی افریقہ جانے کی وجہ سے لیٹ ہوئی تھی تو جب واپس پہنچے ہیں ۱۹۴۷ء کے اواخر میں تو آپ بوڑھے ہو چکے تھے۔ ان کی بیگم صاحبہ ہمارے گھر میری والدہ کے پاس بہت آیا کرتی تھیں، بہت پیار کا تعلق تھا مجھے یاد ہے ان کی مانگ بھی سفیدہ ہو گئی تھی، بالوں میں سفیدی آ گئی تھی۔ جس جوان دلہن کو وہ چھوڑ کر گئے ہیں واپسی پہ خود بھی بوڑھے اور اس خاتون کو بھی بوڑھا دیکھا اور بچے کس طرح بڑے ہوئے ہیں اس کا کچھ پتا نہیں۔ کوئی ذریعہ نہیں تھا معلوم کرنے کا۔ اس زمانے میں خط و کتابت بھی تو بڑی دیر کے بعد ہوا کرتی تھی۔ نہ ہوائی جہاز اس طرح چلا کرتے تھے۔ سمندری

جہاز بھی بڑا بڑا وقت لیا کرتے تھے۔ کوئی بیمار ہوا مرا جیا اس معاملے سے ہمارے مبلغین کا اس زمانے میں کوئی تعلق نہیں تھا۔ خدا کی خاطر چلے جاتے اور بھول جایا کرتے تھے پیچھے دنیا کو۔ ان کے ساتھ بھی یہی حالات گزرے۔ ان کے والد بہت بزرگ صحابی تھی حضرت حافظ نبی بخش صاحبؓ وہ ان کے تبلیغ کے زمانے میں ہی پیچھے دار فانی سے کوچ کر گئے اور کئی قسم کی تبدیلیاں ہوئی لیکن انہوں نے ایک دفعہ مطالبہ نہیں کیا، ایک دفعہ شکوہ نہیں کیا۔ حضرت مصلح موعودؓ کو یہ نہیں لکھا کہ آپ نے مجھے کس حال میں چھوڑ دیا ہے میں بھی آخر انسان ہوں میرا بھی دل ہے، میری بیوی بچے بھی ہیں اور اتنے تھوڑے عرصے کے بعد اب مجھے بھیج دیا گیا ہے اور پوچھا ہی نہیں کہ دوبارہ واپس بلانا بھی ہے کہ نہیں۔

ان حالات میں ان لوگوں نے قربانیاں دی ہیں۔ اس لئے یہ خیال کر لینا کہ یہ جو واقعات ہیں جو آج ہم نے دیکھے ہیں یہ اتفاقاً رونما ہوئے ہیں یا بعد کی نسلوں کی وجہ سے یہ باتیں پیدا ہوئیں یہ بالکل جھوٹ ہے۔ خدا یہ عظیم الشان تغیر پیدا کیا کرتا ہے انسان کے ذریعے نہیں ہوا کرتے اور اللہ تعالیٰ دلوں پر نظر رکھتا ہے، تقویٰ پر نظر رکھتا ہے، قربانیوں کی روح پر نظر رکھتا ہے۔ ایک دیوانہ خدا کی راہ میں نکل کھڑا ہو جس کا دل پاک اور صاف ہو اور خدا کی رضا کی خاطر وہ سب کچھ لٹا دینے کے لئے تیار ہو اس میں عظیم الشان انقلابی طاقتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور لاکھوں کروڑوں اگر اس جذبے سے عاری ہوں، اس تقویٰ کے معیار سے عاری ہوں تو ان کی کوششوں سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ وہ ایک تھے جنہوں نے ساری دنیا کو تبدیل کرنا تھا۔ ان کے اندر یہ صفات پائی جاتی تھیں تبھی خدا نے ان کو چنا تھا۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا انتخاب وہبی تو ہے لیکن بغیر وجہ کے نہیں۔ ہے تو تحفہ ہی خدا کا لیکن اس تحفے کے اندر گہری حکمت پائی جاتی ہے۔ آپ کے اندر وہ عظیم الشان تقویٰ، وہ عظیم الشان اخلاص، وہ عظیم الشان اور بے نظیر فدائیت کی روح تھی اپنے رب کی خاطر جس کے نتیجے میں خدا تعالیٰ کی نظر نے جانچا تھا کہ یہ شخص ساری دنیا میں انقلاب برپا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے اور وہی انقلاب ہے جو اب دوسری شکل میں احمدیت کی صورت میں ظاہر ہونا شروع ہوا ہے۔ تو اس لئے حضرت محمد مصطفی ﷺ کی مثال سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ آج جبکہ مسلمان کروڑہا کی تعداد میں ایک ارب کی تعداد میں پہنچ گئے ہیں ان کی مجموعی طاقت وہ کام نہیں کر سکتی جو رسول کریم ﷺ کی انفرادی طاقت نے کر دکھانے تھے اور کر کے دکھائے۔ سارے عرب میں

جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں عظیم الشان معجزہ گزرا ہے وہ رسول کریم ﷺ کا تقویٰ اور آپ کا عشق الٰہی تھا۔

تو آج بھی یہی چیز ہے جو کام آئے گی۔ جماعت کی تعداد بڑھ گئی ہے لیکن تعداد کام نہیں آئے گی تقویٰ کام آئے گا اور تقویٰ کی اجتماعی طاقت کو اگر آپ تول لیں یا ناپ لیں یا کسی پیمانے کے اوپر اس کو پرکھ لیں اس کا نام جماعت احمدیہ ہے وہ جتنا بڑھے گا جماعت احمدیہ بڑھے گی جتنا عظیم ہوگا اتنی جماعت احمدیہ عظیم ہوگی اس لئے اس بات کو بھلا کر آپ دنیا میں کوئی بھی اچھا کام نہیں کر سکتے۔ چنانچہ یہ وہ لوگ ہیں جو اکیلے تھے لیکن ہزار ہا پر لاکھوں پر بھاری ہونے کی طاقت رکھتے تھے کیونکہ اللہ کے عاشق تھے اور فدائی تھے اور خالصۃً قربانی کے جذبے سے وہاں گئے تھے کوئی نفس کے فائدے کا شائبہ بھی ان کے دلوں میں نہیں تھا بلکہ شدید ابتلاؤں کو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا ان کو رد کیا ان کو تحقیر کی نظر سے دیکھا ہے ان کی طرف پیٹھ پھیر کر چل پڑے ہیں کوئی پرواہ نہیں کی کہ خدا کی راہ میں کیا کیا مصیبتیں ان پر اتر پڑتی ہیں۔

پھر اس کے بعد **حضرت الحاج مولانا نذیر احمد صاحب علی** کا ذکر کرتا ہوں مختصراً۔ افریقہ میں تیسرے مبلغ تھے یہ ۱۹۲۹ء میں گولڈ کوسٹ میں گئے۔ پھر ۱۵ / مئی ۱۹۳۳ء کو قادیان واپس تشریف لائے پھر تین سال کے بعد ۳۶ء میں دوسری مرتبہ گولڈ کوسٹ گئے پھر انکو وہیں سے ایک سال کے بعد سیرالیون نئے مشن کے قیام کے لئے ۲۰ / اکتوبر ۱۹۳۷ء کو روانہ کیا گیا جہاں آپ نے آٹھ سال میں عظیم الشان خدمات سرانجام دی ہیں۔ صوفی منش سادہ انسان بہت ہی فدائی اور بے نفس بزرگ تھے۔ بہت زیادہ دعا گو خدا سے خاص محبت اور تعلق رکھنے والے انسان۔ کوئی طبیعت میں ریاکاری نہیں، کوئی دکھاوا نہیں۔ خاموشی سے قربانیوں کو برداشت کرنے والے۔ ۱۹۴۵ء کے بعد ۵۱ء میں واپس آئے اور پھر تین سال کے بعد ۱۹۵۴ء میں آپ کو بھجوا دیا گیا اور سیرالیون ہی میں آپ کی ۱۹ / مئی ۱۹۵۵ء کو بقضاء الٰہی وفات ہوئی بو کے مقام پر آپ کی تدفین ہوئی ہے۔

ان کے متعلق میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بہت پہلے جانے سے ۱۹۴۵ء میں انہوں نے قادیان میں افریقہ رخصت ہونے سے پہلے ایک بات کہی تھی اور وہ بات دل کی گہرائی سے اس طرح نکلی تھی کہ اس کو خدا تعالیٰ نے قبول فرمایا اور ان کی وہ خواہش پوری ہوگئی جس کا ذکر انہوں نے ۱۹۴۵ء

میں رخصت ہوتے وقت اپنے خطاب میں کیا۔ کہتے ہیں:

''ہم میں سے اگر کوئی فوت ہو جائے تو آپ لوگ یہ سمجھیں کہ دنیا کا کوئی دور دراز حصہ ہے جہاں تھوڑی سے زمین احمدیت کی ملکیت ہے یعنی وہ حصہ جس پر ہماری قبر مشتمل ہے۔ احمدی نوجوانوں کا فرض ہے کہ اس تک پہنچے اور اس مقصد کو پورا کریں جس کی خاطر اس زمین پر ہم نے قبروں کی شکل میں قبضہ کیا ہوگا۔ پس ہماری قبروں کی طرف سے یہ مطالبہ ہوگا کہ اپنے بچوں کو ایسے رنگ میں ٹریننگ دیں کہ جس مقصد کے لئے ہماری جانیں فدا ہوئیں اسے وہ پورا کرتے رہیں۔''

یہ جوان کی خواہش تھی یہ اس طرح پوری ہوئی کہ جب ان کا وصال ہوا تو حضرت مصلح موعودؓ نے اجازت دی کہ ان کی تدفین وہیں سیرالیون میں کی جائے اور بو (Bo) کے مقام پر یہ عظیم الشان مجاہد احمدیت دفن ہے۔

میں جب وہاں گیا ہوں تو میری شدید خواہش تھی کہ وہاں جا کے دعا کروں لیکن وہاں کی جماعت نے ایک مصلحت کی خاطر اس قبر کو لوگوں سے آج کل چھپایا ہوا ہے کیونکہ وہ ملک جہاں کسی زمانے میں ان کو ذلیل و رسوا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی منہ پہ تھپڑ مارے جاتے تھے گھسیٹا جاتا تھا ہر قسم کی گندی گالیاں دی جاتی تھیں اس ملک میں وہ تو نہیں ہیں لیکن ان کی قبر کی اتنی عزت پیدا ہو چکی ہے کہ علاقے سے دور دور سے لوگ اس قبر سے منتیں مانگنے کے لئے پہنچتے تھے اور شرک شروع ہو گیا تھا اس لئے جماعت نے اس مؤحد کی قبر کو شرک کا مرکز تو نہیں بننے دینا تھا۔ چنانچہ انہوں نے عمداً اس قبر کو لوگوں کی پہنچ سے الگ کر دیا ہے اور یہی خیال ان کے دل میں آیا کہ اگر میں وہاں چلا گیا تو ہو سکتا ہے لوگوں کا پھر یہ سلسلہ شروع ہو جائے اور لوگ سمجھ نہیں سکیں گے کہ میں کیا کرنے گیا ہوں میں قبر سے مانگنے نہیں گیا قبر والے کے لئے مانگنے گیا ہوں۔

بہر حال جو بھی تھا یہ مجھے افسوس تو ہے خدا پھر توفیق دے گا تو جاؤں گا لیکن ان کا ذکر میں پھر بعد میں کرتا ہوں ایک اور مبلغ بہت عظیم الشان خدمت کرنے والے فدائی مبلغین میں سے مولوی الحاج نذیر احمد صاحب مبشر تھے جو اب بھی زندہ ہیں اللہ کے فضل سے۔ پھر مولانا محمد صدیق صاحب

امرتسری مرحوم نے بھی بہت عظیم الشان خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان کو بھی حضرت مولانا نذیر احمد صاحب علی کے ساتھ خدمت کی توفیق ملتی رہی ان کے تابع ان کے ساتھ۔

حضرت مصلح موعودؓ کو مولانا نذیر احمد صاحب علی سے بہت محبت تھی اور چونکہ خدا تعالیٰ نے غیر معمولی بصیرت عطا فرمائی تھی اس لئے انسانوں کی قدریں جانچنے کا غیر معمولی ملکہ تھا آپ کو۔ چنانچہ آپ نے ان کا جس محبت سے ذکر کیا ہے اور شاید ہی کم کسی اور مبلغ کا اس محبت سے ذکر کیا ہو اور پہلے آدمی ہیں مولانا نذیر احمد صاحب علی جن کو سارے مغربی افریقہ کا رئیس التبلیغ مقرر کیا گیا ہے یعنی وہ صرف ایک ملک کے رئیس نہیں تھے حضرت مصلح موعودؓ نے ان کو سارے مغربی افریقہ کا رئیس بنا دیا تھا اور ابھی بھی ان کی یہ حیثیت باقی ہے جو ہمیشہ باقی رہے گی۔

جب مجھے پتا چلا وہ جگہ روکو پور جہاں خاص طور پر انہوں نے قیام کر کے بہت عظیم الشان خدمات سرانجام دی ہیں اور ان کے نام کے ساتھ روکو پور کا لفظ اس طرح مل گیا ہے جس طرح ایک ہی وجود کے دو نام ہوتے ہیں بو میں بھی بہت کام کیا ہے لیکن روکو پور کے ساتھ تو غیر معمولی تعلق تھا اور ان کو آغاز میں انہوں نے وہاں جا کر مشن کھولا تھا۔ جب مجھے پتا چلا کے وہاں دورہ نہیں رکھا گیا کیونکہ سڑک خراب ہے تو مجھے بڑی تکلیف ہوئی اور یہ بھی عجیب حسن اتفاق ہے کہ اس کا پتا ایک بی بی سی کے نمائندہ سے ملا۔ اس نے سوالات میں یہ سوال کیا کہ آپ عجیب آدمی ہیں سیرالیون آ رہے ہیں اور روکو پور نہیں جا رہے۔ میں نے کہا کیوں کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا روکو پور تو مولوی نذید احمد صاحب علی کی خدمات کا مقام ہے خاص ان کی ایسی یادیں وہاں وابستہ ہیں، ایسی عظیم الشان خدمات وہاں سرانجام دی ہیں کہ آپ آئیں گے اور روکو پور چھوڑ کر چلے جائیں گے میں نے کہا ہرگز نہیں۔ میں تو آپ کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے یاد کرا دیا مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ اس دورے میں انہوں نے رکھا نہیں ہوا۔ چنانچہ میں نے امیر صاحب سے پوچھا انہوں نے کہا جی! آپ کی تکلیف کی خاطر۔ میں نے کہا عجیب بات کرتے ہیں۔ مجھے تکلیف سے بچانے کی خاطر نہ کہیں مجھے تکلیف پہنچانے کی خاطر شاید آپ نے یہ کیا ہو۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہاں نہ جاؤں اور میرا دورہ سیرالیون مکمل ہو۔ اس لئے اور تقریبیں ہٹانی پڑیں تب بھی آپ کو وہ دورہ بہر حال رکھنا ہوگا۔

چنانچہ ایک وہاں فری ٹاؤن کی جو بڑی مجلس انہوں نے رکھی ہوئی تھی خطاب عام اور اس

میں سارے معززین کو بلایا ہوا تھا میں نے کہا اس کی کوئی حیثیت نہیں اس کے مقابل پر وہ آپ چھوڑ دیں اور یہاں کا دورہ رکھ لیں۔ چنانچہ وہاں مجھے جانے کا موقع ملا۔ پہلے احمدی جوان کے ساتھ تھے جنہوں نے بہت عظیم الشان خدمات سرانجام دی تھیں ان کی قبر پر دعا کی توفیق ملی۔ بڑے بہادر، بڑے وفادار ان کو خدا نے ساتھی عطا فرمائے تھے۔ انہی کا گھر تھا جہاں ان کو پہلا کمرہ ملا ہے اس کمرے میں جا کر ان کے لئے خصوصیت سے دعا کی توفیق ملی۔

تو حقیقت یہ ہے کہ ان کی قبریں بھی آپ کو بلا رہی ہیں اور ان کی یادیں جو آج تک زندہ ہیں وہ کبھی بھی مدفون نہیں ہوں گی ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ بعض علاقوں میں خاک کے ذرے ذرے میں وہ یادیں پھر رہی ہیں۔ وہ ہوائیں اڑاتی ہیں ذروں کو جہاں بھی وہ پہنچاتی ہیں وہاں یہ روحوں کو تازہ کرنے والی زندگی بخش یادیں یہ آپ سب کو پھر بلا رہی ہیں۔ آج افریقہ کی سرزمین ان احمدی خدمت کرنے والوں کو پکار رہی ہے جو اپنے فائدے کے لئے نہیں بلکہ بنی نوع انسان کے فائدے کی خاطر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی غلامی اور آپ کی تعلیم سے متاثر ہو کر خدا کی خاطر وہاں جانے کے لئے تیار ہوں اور یہ عہد کریں کہ جو بھی تکلیف ہوگی اس کے باوجود وہ وہاں جا کر ان لوگوں کی خدمت کریں گے۔ چنانچہ وہاں جا کر مجھے ایک شعر یاد آیا جو مجھے یوں محسوس ہوا کہ بعینہٖ اس صورتحال پر صادق آتا ہے۔ وہ شعر یہ تھا کہ:

کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق؟
ہے مکرر لب ساقی میں صلا، میرے بعد (دیوان غالب صفحہ: ۱۰۷)

غالب کہتا ہے میں تو مر گیا لیکن اپنی زندگی میں اس عشق کی شراب کا مقابلہ میں کیا کرتا تھا جو بڑے بڑے مردوں کی کمر توڑ دیا کرتا ہے۔ چنانچہ میرے مرنے کے بعد ساقی بار بار یہ اعلان کر رہا ہے کہ کون ہے آج جو آئے اور اس شراب عشق کے مقابلے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرے جو بڑے بڑے مردان میدان کی ہمتیں توڑ دیا کرتی ہے۔ مجھے ان کی آواز ان کی اس قبر سے بھی سنائی دے رہی تھی جو مجھ سے اس وقت دور تھی لیکن ان زندہ یادوں سے بھی سنائی دے رہی تھی اور میں نے سوچا کہ یہی مضمون ہے جو جماعت تک میں پہنچاؤں گا۔

کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق؟
ہے مکرر لب ساقی میں صلا، میرے بعد

وہ صلا تو ایک فرضی صلا تھی جو غالب کے ذہن میں آئی اور ویسے عشاق تھے یا نہیں تھے یہ سب فرضی

قصے ہیں لیکن حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے غلاموں میں ایسے عشاق دور اول میں بھی پیدا ہوئے اور دور ثانی میں بھی پیدا ہوئے جن کو کوئی شراب عشق مات نہیں دے سکتی تھیں۔ وہ شراب اگر زہر کے پیالوں میں بھی بٹتی تب بھی وہ اسے منہ سے لگانے کے لئے تیار بیٹھے ہوئے تھے اور بڑی ہمت کے ساتھ انہوں نے اس کے مقابلے کئے۔

چنانچہ احمدیت میں میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ کسی ساقی کے منہ پر مکرر کی صدا آئے اور اس کا جواب لبیک صورت میں نہ پیدا ہو۔ میں جانتا ہوں کہ جب بھی یہ آواز اٹھائی جائے گی کثرت سے ساتھ جماعت کی طرف سے اللھم لبیک اللھم لبیک کی آوازیں آئیں گی کیونکہ وہ صدا دینے والے کو نہیں دیکھیں گے وہ یہ دیکھیں گے کہ دراصل یہ آسمان کے خدا کی آواز ہے جو ایک حقیر بندے کے منہ سے جاری ہوئی ہے۔ اس لئے یہ خدا کی عاشق جماعت، فدائی جماعت ہو نہیں سکتا کہ اللہ کی طرف سے آواز آئے اور وہ اسے سنے نہ، اس کے مقابل پر اس کے سننے کے بعد اللھم لبیک نہ کہیں۔ شاعری میں تو ایسا ممکن ہے لیکن عملاً جماعت کی زندگی میں یہ نہیں ہوسکتا۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے مکرر یہ صدا دینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور اسی ایک آواز پر لبیک کہتے ہوئے ساری دنیا میں جو لوگ بھی افریقہ میں احمدیت اور اسلام کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا چاہتے ہیں پیش کرنے کی توفیق رکھتے ہیں وہ انشاء اللہ ضرور پیش کریں گے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ دوسرا وہ دور ہے جو کام کو اپنے آخری نقطہ کے مقام تک پہنچا دے گا۔ اب اس کے بعد تیسری منزل اور کوئی نہیں یہ دوسری منزل آپ کے سامنے کھڑی ہے جو آخری فتح کی منزل ہے۔ **میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور آپ دیکھ لیجئے کل اسی طرح ہوگا خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ کہ یہ جو دور اب نیا چلنا ہے قربانیوں کا اس کے بعد اب سارا افریقہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی غلامی میں آجائے گا آپ کے قدموں پر نچھاور ہوگا اور افریقہ سے پھر ساری دنیا کو تبلیغ اسلام کے لئے وہ دیوانے نکلیں گے وہ فدائی نکلیں گے جو کبھی باہر سے افریقہ کو جایا کرتے تھے۔**

عظیم طاقتیں اس قوم میں میں نے دیکھی ہیں۔ حیرت انگیز قربانی کی روحیں ان میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے اندر انکسار ہے ان کے اندر عشق ہے آنحضرت ﷺ کا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا اور احمدیت کے عاشق زار ہیں وہ بالکل۔ ان کی قربانیوں کے حالات آپ کو سناؤں تو آپ حیران رہ

جائیں گے آپ سمجھتے ہیں صرف پاکستانی کا ہی کام ہے کہ وہ قربانیاں دے۔ بالکل غلط ہے۔ نہ ہندوستانی کا کام نہ پاکستانی کا کام ہے ساری دنیا کا کام ہے اور افریقہ میں یہ نمونے بڑی شان کے ساتھ ظاہر ہو چکے ہیں اور ابھی بھی ہو رہے ہیں۔ میں تو ان لوگوں میں پھر کر حیران رہ گیا ہوں دیکھ کر کہ اتنی عظیم الشان قوم ہے۔ بہت سی ایسی خوبیاں ان کو خدا نے عطا کی ہیں جس سے باہر کی دنیا محروم ہے۔ پاکستان میں بھی وہ نہیں، ہندوستان میں بھی نہیں، امریکہ میں بھی نہیں، چین جاپان میں بھی نہیں وہ صرف آپ کو افریقہ میں دکھائی دیں گی۔

اس لئے میں یہ سمجھتا ہوں کے خدا تعالیٰ کی تقدیر یہ ہے کہ وہ آواز جو قادیان سے بلند ہوئی تھی جسے پہلا پلیٹ فارم ہندوستان کا مہیا کیا گیا تھا اس پر لبیک کہتے ہوئے جو قربانیاں اس خطے کے بسنے والوں نے دیں ان کی قبولیت کے پھل کے طور پر افریقہ عطا ہوگا اور افریقہ خود وہ پھل بن جائے گا جس سے کثرت کے ساتھ وہ بیج پیدا ہوں گے جو ساری دنیا میں وہ ثمر دار درخت لگا دیں گے جسے ہم باغ احمد کہہ سکتے ہیں۔ جس کی شاخیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھیں کہ کل عالم پر محیط ہیں اور بنی نوع انسان اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ تو یہ دو دور ہیں احمدیت کی ترقی کے۔ پہلا افریقہ کے دلوں کی فتح ہے اور دوسرا اس کے ذریعے سے سب دنیا کے دلوں کی فتح ہے۔ جو میں نے دیکھا ہے مجھے تو یہی دکھائی دیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ آئندہ آنے والی نسلیں بھی اس بات پہ گواہی دیں گی کہ جو میں نے دیکھا وہ سچ دیکھا تھا۔

پس خدا تعالیٰ کی تقدیر میں جو پھل ملا کرتے ہیں وہ صرف کھانے کے لئے نہیں ہوا کرتے ہر پھل کے ساتھ بیج بھی رکھے جاتے ہیں۔ یہ مضمون ہے جسے ہمیں کبھی بھلانا نہیں چاہئے۔ جو پھل آج جماعت افریقہ میں کھا رہی ہے ان پھلوں کے اندر بیج مضمر ہیں اور وہ اس کثرت کے ساتھ ہیں کہ اگر ہم ان کی نگہداشت کریں اور ان کو لگا کر ان کی آبیاری کریں تو پھر ساری دنیا تک آنحضرت ﷺ کی برکتوں کے پھل پہنچانے کے لئے سامان مہیا ہو جائیں گے اور بہت بڑی وہاں جس کو پنیری کہتے ہیں پتا نہیں اردو میں اس کا کیا نام ہے انگریزی میں Nursery کہتے ہیں افریقہ میں وہ پنیری لگانے یا نرسری بنانے کے لئے بہت بڑی سرزمین موجود ہے اور بیج میسر آ چکے ہیں کیونکہ وہ پھل میں نے خود دیکھا ہے جو بیجوں سے لدا ہوا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے گا انشاء اللہ کہ ہم ان چیزوں سے استفادہ کریں اور پھر ساری دنیا تک اسلام کا پیغام پہنچائیں۔ وہ پیغام جب افریقہ کی شکل میں ابھرے گا اور افریقن قوم اس پیغام کو لے کر نکل کھڑی ہوگی سب دنیا میں تو پھر آپ دیکھیں گے کتنے عظیم الشان انقلاب برپا ہوتے ہیں اور ابھی سے اس کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ تو یہ میرا پیغام ہے۔ میں امید رکھتا ہوں، امید کیا **مجھے یقین ہے ایک ذرہ بھی شک نہیں کہ یہ وہی جماعت ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے اور اس جماعت سے کبھی بھی کسی خلیفہ وقت کو مایوسی نہیں ہوسکتی۔**

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور نے فرمایا:

کچھ مرحومین کی نماز جنازہ کی درخواستیں موصول ہوئی ہیں۔ نماز جمعہ کے معاً بعد انشاء اللہ یہ نماز جنازہ غائب پڑھائی جائے گی۔

مکرم چوہدری عطاء اللہ خان صاحب ریٹائرڈ ٹیچر تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان حال ربوہ ۱۳ / دسمبر کو حرکت قلب بند ہو جانے سے وفات پا گئے۔ بڑے مخلص فدائی آدمی تھے، بڑے منکسر المزاج، سادہ۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔

مکرمہ اقبال بیگم صاحبہ اہلیہ سردار محمد یوسف صاحب جو ایڈیٹر نور کے نام کے ساتھ مشہور تھے اور جب تک وہ نور رسالہ ہمیشہ دنیا میں باقی رہے گا پرانے قیمتی مضامین سمیت آپ کا نام بھی باقی رہے گا انشاء اللہ۔ ان کی بیگم صاحبہ کی وفات کی اطلاع ملی ہے ۲۰ / فروری ۱۹۸۸ء کو لاہور میں وفات پا گئیں۔

محترمہ حمیدہ بیگم صاحبہ اہلیہ رشید احمد صاحب نائیک ۲۶ / فروری کو جنیوٹ ایک بس کے حادثہ میں وفات پائی۔ انگلستان سے ہی ہمارے ایک دوست تشریف لے گئے تھے اور بڑا دردناک واقعہ یہ ہے کہ ان کی خالہ تھیں ان کو ملنے کے لئے آئی تھیں تا کہ الوداع کہہ سکیں اور غالباً ملنے سے پہلے ہی اس حادثہ میں شہید ہو گئیں۔

مکرم محمد سلیمان صاحب کھاریاں، مکرمہ نذیر بیگم صاحبہ اہلیہ ملک عبداللہ خان صاحب سمبڑیال، مکرمہ بشریٰ خانم صاحبہ، مبشر احمد صاحب جرمنی میں ہیں انہوں نے درخواست کی ہے ان کی ہمشیرہ تھیں۔ مکرم سید منور حسین شاہ صاحب ہمارے ایک مخلص انگلستان کی جماعت کے دوست ریحان محمود صاحب کے والد تھے اور ان کی دوسری شادی سید منور حسین شاہ صاحب کی چوہدری فتح محمد

صاحب سیال کی بیٹی امۃ الشافی سے ہوئی۔ بہت ہی خدمت کی ہے انہوں نے میں مرحوم کے لئے دعا کی درخواست کرتا ہوں ان کے لئے بھی کرتا ہوں ساتھ ہی بہت ہی عظیم الشان خدمت کی توفیق ملی ہے ان کو۔ بڑے صبر کے ساتھ، بڑی لمبی بیماری دیکھی اور بڑی وفاداری کا سلوک کیا ہے اور ان کے اپنے سوتیلے بچوں سے بھی ایسا پیار کا نمونہ دکھایا ہے جو بعض دفعہ سگی ماؤں کو بھی اس کی توفیق نہیں ملتی۔ یہ بھی دعا کی مستحق ہیں۔

مکرمہ امۃ اللطیف صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر محمد احمد صاحب یہ حمید اللہ شاہ صاحب نے کینیڈا سے اطلاع دی ہے ہمارے ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ کے بڑے صاحبزادے تھے ڈاکٹر محمد احمد ان کی اہلیہ امۃ اللطیف صاحبہ ۲۷ / جنوری کو وفات پا گئی ہیں۔

نماز جنازہ کے علاوہ ایک دعا کی درخواست بھی کرنی چاہتا ہوں ایک مریضہ کے لئے وہ ہماری عزیزہ ہیں سعدیہ بیٹی جو میری بیوی کے مرحوم بھائی کی بیٹی ہیں۔ امریکہ میں ان کو اچانک دمہ کی تکلیف ہوئی جو اس قدر تیزی سے بڑھی کے پیشتر اس کے کہ ڈاکٹر وہاں پہنچ سکتا وہ اس کی وجہ سے بیہوش ہو کے گری اور پھر کومہ میں چلی گئی ہیں اور ڈاکٹروں کے بیان کے مطابق تقریباً بیس منٹ تک دل کی حرکت بھی بند رہی ہے اور سانس بھی بند رہا ہے لیکن اس کے باوجود جب ڈاکٹروں نے کوشش کی تو دوبارہ دل کی حرکت جاری ہوگئی۔ سانس کی مشین پہ رکھا ہوا ہے اور ابھی تک وہ جہاں تک دنیا کا سوال ہے ڈاکٹر تو مایوس ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ محض ایک کوشش ہے فرض کے طور پر اس سے زیادہ اس میں کوئی امید نہیں لیکن اللہ تعالیٰ قادر اور توانا ہے اور میں نے دیکھا ہے پہلے کئی دفعہ ایسا ہو چکا ہے کہ ڈاکٹروں نے جس مریض کو کلیۃً لاعلاج قرار دیا ہے اسے بھی خدا نے زندہ فرما دیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں تو جو واقعات ایسی کثرت سے ظاہر ہوئے ہیں کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ کیسے یہ واقعہ ہوا۔ ابھی بھی وہی خدا ہے جماعت کے ساتھ ابھی بھی میں نے دیکھا ہے کئی دفعہ ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں تو مایوسی کا ہمیں حکم نہیں ہے کسی قیمت پر بھی۔ ڈاکٹروں کے بیان کے مطابق ایک قسم کا مردہ ہے جسے وہ کچھ عرصے کے لئے گھسیٹ رہے ہیں گویا کہ یعنی زندگی کے بارڈر پر گھسیٹ رہے ہیں عملاً وہ دوسری طرف جا چکا یا لڑھکنے والا ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی تقدیر جب تک آخری صورت میں ظاہر نہ ہو جائے ڈاکٹروں کی تقدیر کا کوئی اعتبار نہیں ہوا کرتا۔

جب بھی خدا فیصلہ کرے اسی کی چلتی ہے۔

اس لئے جب تک خدا کی آخری تقدیر ظاہر نہیں ہوتی ہمیں دعا کا حکم ہے اور دعا کرتے وقت پورے توکل اور یقین سے دعا کرنی چاہئے یہ نہ سمجھیں کہ چلو دعا کرتے ہیں ورنہ اب کہاں ممکن ہے اس طرح کی دعا نہیں کرنی اس یقین کے ساتھ کریں کہ خدا کے ہاتھ میں طاقت ہے جب چاہے وہ تقدیر بدل دیتا ہے اور اسی لئے مجھے بھی جب میں نے دعا کی تو ایک ایسا جواب ملا جس کے بعد انسان سمجھتا ہے کہ اب دعا کا وقت نہیں رہا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے میری توجہ اس طرف پھیری کہ دعا کے لئے تو ہر وقت ہے۔ جب خدا یہ بھی ظاہر فرما دے کہ نہیں اس وقت بھی وقت رہتا ہے۔

تو اس لئے میں امید رکھتا ہوں کہ سب دوست بھی اس معاملے میں دعا کے ذریعے اس بچی کی مدد فرمائیں گے۔ چھوٹی عمر ہے ابھی ایک ڈیڑھ سال ہوا ہے صرف شادی کو غالباً ڈیڑھ یا دو سال اور بڑی نیک فطرت بچپن میں باپ کے سائے سے محروم رہی۔ بڑی دردناک زندگی کٹی اس لحاظ سے تو خاص دعاؤں کی مستحق ہے۔ یعنی یہ ان کی والدہ خاص طور پر مجھے ان کا خیال ہے بہت ہی ان کی جذباتی لحاظ سے اس وقت شدید کرب میں سے گزر رہی ہیں۔